استغفار و توبہ

سید حامد علی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

ان العبد اذا اخطأ خطیئةً نکتت في قلبه نکتة سوداء فاذا هو نزع واستغفر و تاب سقل قلبه وان عاد زید فیها حتی تعلو قلبه وهو الران الذی ذکر الله کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور (اللہ سے) مغفرت چاہتا اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل پاک صاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ پھر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ سیاہ نشان اور بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ (بڑھتے بڑھتے) اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہی وہ "ران" (دل کا زنگ) ہے جس کا اللہ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے: "بالکل غلط! اصل حقیقت یہ ہے کہ جو غلط کاریاں وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کے دلوں پر زنگ بن کر چھا گئی ہیں" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، حاکم، ابن حبان، ترغیب و ترہیب)

"جب بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے"

بندے سے مراد بندہ مومن ہے جو اللہ کی "بندگی" کا عہد کر چکا ہے، حدیث کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے نیز مسند احمد کی روایت میں "ان العبد اذا اخطاء خطیئته" کے بجائے "ان المومن اذا اذنب ذنباً بیشک مومن جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے" کے الفاظ صراحتاً موجود ہیں۔

جب بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے۔ سیاہ نشان سے کوئی مادی نشان یا داغ دھبہ مراد نہیں، بلکہ وہ باطنی اثر ہے جو نافرمانی کی وجہ سے انسان کے دل پر مرتب ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کے اندر اللہ کی اطاعت کا مادہ کم اور اس سے دوری بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جسے ہر صاحب احساس، جو کسی بھی گناہ میں مبتلا ہو جائے بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔ اس ارشاد نبوی ؐ سے

معلوم ہوا کہ اللہ کی کوئی ایک نافرمانی محض اللہ کی ناخوشی اور عذاب آخرت ہی کی موجب نہیں ہے بلکہ اس سے انسان کا دل بری طرح متاثر ہوتا ہے--- وہ دل جو انسان کے بدن میں تمام افکار و اعمال کا مرکز ہے اور جس کی دوستی اور جس کا خشوع سب سے زیادہ مطلوب ہے--- اور انسان ایک دوسری نافرمانی کی طرف بڑھنے کے خطرے میں گھر جاتا ہے۔ یہ ہر نافرمانی کا خاصہ ہے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی 'فرق صرف تناسب کا ہے' بڑے گناہ سے قلب پر زیادہ برے اور مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں اور چھوٹے گناہ سے نسبتاً کم مہلک اثرات۔

"پھر جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور (اللہ سے) مغفرت چاہتا اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل پاک صاف ہو جاتا ہے"۔

ان الفاظ میں توبہ کے تینوں اجزا اور مراحل کا ذکر موجود ہے۔ متن میں علی الترتیب تین الفاظ ہیں۔ نزع ، استغفر اور تاب۔

"نزع" کے معنی ہیں "کسی کام سے باز آگیا' رک گیا" یہ توبہ کی پہلی اور بنیادی شرط ہے اگر انسان زبان سے "استغفر اللہ" کہتا رہے مگر گناہ سے نہ رکے تو یہ ہرگز توبہ نہ ہوگی بلکہ ایک شارح حدیث کے بقول اللہ کے ساتھ مذاق ہوگا۔

دوسرا لفظ "استغفر" ہے جس کے معنی ہیں "مغفرت چاہی" یعنی صرف گناہ سے رک جانا کافی نہیں ہے بلکہ اللہ کی نافرمانی کو نافرمانی سمجھ کر اس پر نادم ہو' اس کے ہولناک عواقب سے لرزاں و ترساں ہو اور خلوص دل اور خشوع قلب کے ساتھ اللہ سے اس بات کی التجا کرے کہ وہ اس گناہ پر عذاب نہ دے' بلکہ اپنے رحم و کرم سے معاف کر دے۔ یہ کیفیت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر توبہ صحیح معنی میں توبہ ہوگی اور اسی قدر انسان آیندہ اللہ کی نافرمانی سے بچ سکے گا۔ تیسرا لفظ "تاب" ہے اس کے معنی ہیں "پلٹا' رجوع کیا' متوجہ ہوا" یعنی اتنا کافی نہیں ہے کہ انسان گناہ سے باز آجائے اور مغفرت کا طالب ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر سے استوار کرے' اپنے مالک و آقا سے بندگی کے عہد کی تجدید کرے' اپنے رب کی اطاعت کی راہ پر گامزن ہونے اور اس کی وفاداری کے تقاضے پورے کرنے میں سرگرمی کے ساتھ منہمک ہو۔ توبہ کی حقیقت یہی ہے اور کسی گناہ کے بعد جس قدر یہ کیفیت انسان کے اندر ابھرے گی اسی قدر اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ انسان کی غلطی معاف ہو جائے' اس کا دل پاک و صاف ہو جائے اور وہ پہلے سے زیادہ اللہ سے قریب ہو سکے۔

یعنی نافرمانی سے انسان کے دل میں جو گندگی پیدا ہوگئی تھی استغفار سے وہ گندگی زائل ہو جاتی ہے اور گناہ کرنے کی وجہ سے قلب کے اندر خشوع اور جذبہ عبودیت میں جو کمی آگئی تھی وہ توبہ سے دور ہو جاتی ہے اور انسان کا دل اللہ کی بندگی کے صالح جذبات سے معمور ہو جاتا ہے--- اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ توبہ انسان کی فلاح' اس کی خامیوں کے ازالے اور اس کے ارتقا کے لیے کس قدر ضروری ہے!

لیکن اگر وہ پھر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ سیاہ نشان اور بڑھ جاتا ہے۔

یعنی اللہ کی نافرمانی کا اعادہ انسان کے دل کی قساوت اور اس کی تاریکی کو اور بڑھا دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اللہ کی بندگی کی راہ سے مزید دور ہو جاتا ہے اور اس کے لیے اطاعت کی راہ پر گامزن ہونا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

یہی وہ ران (دل کا زنگ) ہے جس کا ذکر اللہ نے اس طرح فرمایا ہے:

بالکل غلط! اصل حقیقت یہ ہے کہ جو غلط کاریاں وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کے دلوں پر زنگ بن کر چھاگئی ہیں۔

یہ سورۂ مطففین کی ایک آیت ہے جس کے اندر کفار کی ایک بنیادی خامی بیان ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت الٰہی کو قبول نہیں کر رہے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اس آیت کا ذکر گناہ گار مسلمانوں کے سلسلے میں فرمایا ہے۔ جس سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جس طرح حق کو حق جانتے ہوئے اس سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے اہل کفر کے لیے اب ہدایت الٰہی کا قبول کرنا سخت مشکل ہو رہا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کے دین کو قبول کر لے مگر عملاً اس کی مسلسل خلاف ورزی کرتا چلا جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ مسلسل نافرمانی کے نتیجے میں ایک وقت ایسا آجائے کہ اس کے لیے اللہ کے دین پر عمل کرنا اور اس سے اپنے تعلق کو برقرار رکھنا سخت مشکل ہو جائے --- جس شخص کو بھی اپنا دین و ایمان عزیز ہو اور جسے آخرت کا ذرا سا بھی اندیشہ ہو وہ اس خطرے کو مول لینے کی جرات کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر کسی مومن کو نہ اللہ کی نافرمانی پر جری ہونا چاہیے اور نہ توبہ کی طرف سے غافل۔

بالکل غلط، یعنی قرآن پاک کے سلسلے میں جو الٹے سیدھے اعتراضات کرتے رہتے ہیں ان میں کوئی جان نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان کی اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے ان کا نور بصیرت زائل ہو چکا ہے اور وہ حق کو مسلسل ٹھکرانے کی وجہ سے قبولیت حق کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

ماحصل

اللہ کی نافرمانی انسان کی حیات قلبی کے لیے سم قاتل ہے، اور توبہ تریاق۔ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس کا نور ہدایت زائل نہ ہو تو وہ اللہ کی نافرمانی کے معاملے میں بے باک نہ ہو، نہ اس کی حکم عدولی پر اصرار کرے۔ اگر کبھی کسی وقتی تحریک کے نتیجے میں اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو جلد از جلد توبہ کے پانی سے اپنے دل کو صاف کرنے اور نافرمانی کے زہریلے اثرات کو زائل کر دینے کی طرف متوجہ ہو۔ گناہ کو حقیر سمجھنا اور توبہ سے غفلت برتنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر ابن آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ شعار ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ہر ابن آدم خطا کار ہے

یعنی انسان میں فطرتاً ایسی کمزوریاں موجود ہیں کہ اس سے اللہ کی نافرمانی کا صدور ہو سکتا ہے اور اگر اللہ کی خاص نگرانی شامل حال نہ ہو تو انسان کے دامن کا اس گندگی سے بالکل پاک رہنا سخت مشکل ہے۔ اس ارشاد سے دو باتوں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی انسان اپنی حالت پر مطمئن اور اپنے احتساب سے غافل نہ ہو۔ اسے یہ حقیقت بخوبی یاد رہے کہ اس سے ہر آن غلطی ہو سکتی ہے۔ اور اگر وہ چوکنا اور ہوشیار نہ رہے تو نفس کی کمزوری اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جانے کا ہر دم اندیشہ ہے۔ دوسری بات جو ذہن نشین کرانی ہے وہ یہ ہے کہ انسان سے اگر غلطی ہو جائے تو وہ اپنے آپ سے مایوس نہ ہو جائے اور اپنی اصلاح سے دل برداشتہ ہو کر جی چھوڑ نہ بیٹھے۔ اس ارشاد میں گناہ گاروں کے لیے تسلی کا پیغام ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم سے اللہ کی نافرمانی ہو گئی تو تمھیں اپنے سے مایوس نہ ہونا چاہیے، غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اور انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے اپنے آپ سے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں، غلطی کا تدارک کرو اور اپنی شخصیت اور اپنے مستقبل سے پوری طرح پر امید رہو۔

اور خطا کاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ شعار ہیں۔

یعنی انسان کا معیار مطلوب یہ نہیں ہے کہ اس سے گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ انسان سے تو کوئی نہ کوئی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ بہترین اور معیاری انسان وہ ہے کہ جب بھی اس سے غلطی ہو جائے وہ فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ ہر لغزش اس کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہو، وہ اپنی کمزوریوں پر مطلع ہو کر ان کے ازالے کی طرف شدت سے متوجہ ہو، جب بھی اس کے ہاتھ سے اللہ کی رسی چھوٹ جائے، وہ لپک کر پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ اسے تھام لے، جب بھی اللہ کی ناخوشی کا کوئی کام اس سے ہو جائے، وہ رو رو کر اور گڑگڑا کر اپنے آقا کو خوش کرنے اور پہلے سے زیادہ اس کی خوشنودی کے کاموں میں لگ جائے۔ بالفاظ دیگر توبہ کرنا اس کی مستقل صفت ہو، ایسے ہی انسان اللہ کو محبوب ہیں اور ایسے ہی لوگ نوع انسانی کا بہترین عنصر ہیں۔

ماحصل

بہترین انسان وہ ہیں جو اپنی کمزوریوں کی طرف سے بے فکر ہونے کے بجائے ان سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ پاک کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور جب بھی ان سے کوئی چھوٹی یا بڑی غلطی ہو جاتی ہے، وہ توبہ کے ذریعے اس کا تدارک کر کے اپنے مالک سے اپنے تعلق کو اور زیادہ استوار کر لیتے ہیں۔